پریورتن

شبّیر احمد

11B/1، کے۔بی۔بوس لین، کولکاتہ۔700033، موبائل:8961491731

دھڑ بن چکے تھے۔بس ان دھڑوں پر سر رکھنا باقی تھا۔اس کے بعد اس کی مہینوں بھر کی محنت رنگ لے آئے گی۔گردن ہلانے والی نئے ڈھنگ کی مورتیاں مکمل ہو جائیں گی۔

وہ مورتی کی گردنوں پر کیلیں ٹھوک رہا تھا کہ لڑکا پوچھ بیٹھا،''اچھا بابا، اگر ماں درگا کے دھڑ پر مہیسہ سُر کی منڈی اور مہیسہ سُر کے دھڑ پر ماں درگا کی منڈی رکھ دی جائے تو کیا ہوگا؟ مزہ آجائے گا نا...''

بیشو پال کے ہاتھ تھم گئے۔وہ ٹھٹک گیا۔جیسے اسے کاٹھ مار گیا ہو۔ سوچنے لگا،''اس طرح کے اٹ پٹے خیالات اس کے ذہن میں کیسے آجاتے ہیں؟''

کل بھی جب وہ مورتیوں کی منڈیاں بنا رہا تھا تب بھی اس نے کچھ ایسا ہی اٹ پٹا سا سوال پوچھ لیا تھا،''اچھا بابا، آدمی کی منڈی کاٹ دینے سے کیا ہوتا ہے؟''

کل بھی وہ لمحہ بھر کے لیے ٹھٹک گیا تھا، مگر جب لڑکے نے اپنا سوال دہرایا تو اس نے خود پر قابو پاتے ہوئے کہہ دیا تھا،''مر جاتا ہے۔''

''تو پھر تم اس کی بھی منڈی جوڑ دینا۔وہ زندہ ہو جائے گا۔ہے نا؟''

''نہیں بیٹا، میں تو بس مورتیاں بنا سکتا ہوں۔زندگی تو وہ ایشور دیتا ہے۔''اس نے شہادت کی انگلی آسمان کی طرف دکھاتے ہوئے کہا۔

ماں اندر کمرے میں بیٹی کا ٹفن بھر رہی تھی۔جب اسے لگا کہ بیٹا باپ کے کام میں رخنہ ڈال رہا ہے تو ہانک ماری،''پنکو، آ۔میرے پاس آ۔بابا کو تنگ مت کر۔آ میں سناتی ہوں آدمی کی منڈی کٹنے اور جڑنے کا قصہ۔''

بیٹی پیٹھ پر اسکول بیگ لاد کر مسکراتی ہوئی باہر چلی گئی۔

لڑکا دوڑا آیا اور ماں کی چھاتی سے لپٹ گیا۔ماں نے کنپٹی پکڑ کر گال پر بوسہ لیا اور کہا،''بیٹھ یہاں، ٹاٹ پر بیٹھ، مگر بیچ میں کوئی سوال مت کرنا۔ آج کل تو سوال بہت کرنے لگا ہے۔اگر تو نے کوئی سوال کیا تو میں قصہ سنانا بند کر دوں گی۔

اور ماں قصہ سنانے لگی۔بیٹا ہتھیلی پہ ٹھوڑی ٹیکے سننے لگا:

-۲-

...اور ان دونوں میں گھمسان کی جنگ چھڑ گئی، مگر ببروواہن نے ایسا بان مارا کہ ارجن کا سر دھڑ سے الگ ہو گیا اور دھم سے زمین پر گر پڑا۔ چترانگدہ آئی تو ارجن کی لاش دیکھ کر رونے لگی۔بولی،''بیٹا ببروواہن، تو نے یہ کیسا انرتھ کر ڈالا۔یہ تیرے پتا ہیں۔''

اور تب ببروواہن نے لکڑیاں کاٹ کاٹ کر چتا جلائی اور اس میں کود کر جان دینے کی تیاری کرنے لگا۔ماں نے دیکھا تو دوڑتی ہوئی آئی اور بولی،''بیٹا، ایسا نہ کر۔یہ انرتھ تو تجھ سے انجانے میں ہوا ہے۔''

جبھی کرشن جی پرکٹ ہوئے۔بولے،''اگر ناگ منی مل جائے تو ارجن کا سر دھڑ سے جڑ سکتا ہے اور وہ پھر سے زندہ ہو سکتا ہے۔''

اور تب اپنے پتا کو زندہ کرنے کے لیے ببروواہن ناگ منی لانے ناگ دیش چلا گیا۔

ارجن کی لاش بستر پر پڑی ہوئی تھی کہ چنڈاک نام کا اسُر چپکے سے آیا اور ارجن کا سر لے بھاگا اور جب ببروواہن ناگ منی لے کر آیا تو دیکھا، دھڑ تو ہے مگر سر غائب!

لڑکا غور سے ماں کا چہرہ تک رہا تھا، چپ چاپ قصہ سن رہا تھا۔جب بھی کوئی سوال اس کے ذہن میں ابھرتا، ماں کی تنبیہ یاد آجاتی، مگر اس بار اس سے رہا نہ گیا۔پوچھ بیٹھا،''چانڈک سر لے کر کیوں بھاگا، ماں؟ وہ بہت برا آدمی تھا، نا؟''

''لکھی پال گہری آہ بھر کر بولی،''اس دنیا میں کون بھلا ہے، کون برا یہی تو جان پانا دشوار ہے۔''مسکراتے ہوئے لڑکے کو دیکھی اور بولی،''تو نے سوال پوچھا اس لیے قصہ ختم! پیسہ ہضم!!''

لڑکا ماں کے رخسار پر ہتھیلیاں پھیرنے لگا۔خوشامد کرتا ہوا بولا، ''ماں سنانا، اب نہیں بولوں گا۔درگا ماں کی سوگند۔''

اچھا تو سن:

چانڈک بھاگا جا رہا تھا کہ کرشن جی پرکٹ ہوئے۔بولے،''ارجن کا سر مجھے دے دے، چانڈک۔''

چانڈک بولا،''نہیں، کبھی نہیں۔میں اسے شمشان لے جا کر بھسم کر

دوں گا۔اس کے بعد میں راجا بن جاؤں گا۔'' یہ کہہ کر چانڈک نے منڈی پر اپنی گرفت اور بھی مضبوط کر لی۔

کرشن جی نے سمجھایا،''غصے اور آہنکار نے تجھے اندھا کر دیا ہے، چانڈک۔تو اس یوگیہ نہیں کہ ارجن کی جگہ لے سکے۔وہ راج ونشی ہے۔وہی راج پارٹ کا یوگیہ ہے۔''

چانڈک نے جھلا کر کہا،'' راج ونشی ہے تو کیا ہوا۔ بہت دنوں تک راج کر لیا ہے اس نے، مگر کیا کیا ہے پرجا کی خاطر؟ اپنے ہی سر پر ہیرے موتی کا تاج رکھتا رہا، سونے چاندی کے زیورات پہنے گھومتا رہا، شکار کھیلتا رہا۔محلوں میں رہا۔عیاشیاں کیں۔سازشیں رچیں، دیش کا بٹوارہ کیا۔ بھائیوں سے لڑتا رہا۔ذرا بتاؤ تو سہی، اس سے پرجا کو کیا ملا؟ ہم ناگ ونشی ہیں۔ہم عیاشی نہیں کرتے۔آپس میں نہیں لڑتے۔میں تو ایک ایک کر کے ان راج ونشیوں کو ڈس لوں گا۔مٹا دوں گا ان کا نام ونشاں۔''

کرشن جی نے اسے پھر سمجھایا،'' پاگل مت بن، چانڈک۔تو راج کرنے کے یوگیہ نہیں ہے۔لا، وہ سر مجھے دے دے۔''

اور جب چانڈک نہیں مانا تو کرشن جی طیش میں آ گئے اور اپنا سدرشن چکر اس کی طرف دے مارا۔چانڈک کا سر دھڑ سے الگ ہو گیا۔اب وہاں دو سر پڑے تھے۔''

لڑکا بولا،''ہاں، ایک ارجن کا اور دوسرا چانڈک کا، ہے نا؟''

ماں بولی،''ہاں۔تو بڑا ہوشیار ہو گیا ہے۔''

اس کے بعد لڑکے نے تجسس بھرے انداز میں پوچھا،''ماں، اس کے بعد کرشن جی نے کیا کیا؟''

''کرشن جی نے ارجن کا سر اٹھایا اور...''

''اور ناگ منی کی مدد سے ارجن کا سر دھڑ سے جوڑ دیا اور ارجن زندہ ہو گئے۔ہے نا، ماں۔''اور اس طرح لڑکے نے قصہ مکمل کر دیا۔

''واہ! میرا بیٹا، تو واقعی بڑا ہوشیار ہو گیا ہے۔'' یہ کہہ کر ماں نے بیٹے کا ہاتھ پکڑ کر کھینچا اور اسے اپنی گود میں بھر لیا۔

۔۳۔

لکھی پال دروازے کے باہر نل پر برتن مانجھ رہی تھی۔وہاں سے بیشو پال صاف نظر آ رہا تھا۔

بیشو پال خاموشی سے اپنا کام کر رہا تھا۔ایسی خاموشی جس میں سیکڑوں طوفان کا شور چھپا ہوتا ہے۔اسے تشویش ہوئی۔اندر آئی اور بیٹے سے بولی،''پنکو، اندر اُسارے سے المونیم والی پتیلی لے آ۔ بچہ اُسارے میں چلا گیا تو اس نے شوہر کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر پھیکی سی ہنسی ہنستے ہوئے بولی،''بچہ ہے۔اسے کیا سمجھ، دیب اور اسُر میں فرق کا۔''

وہ بیشو پال کی خاموشی کی وجہ بھلی بھانتی جانتی تھی۔لڑکے کا نام تو اس نے بس یوں ہی لے لیا تھا۔شوہر نے بھی خود پر قابو پاتے ہوئے بات بدل دی،''پوجا کو بس دو دن بچے ہیں۔اب تک مورتیاں تیار ہو جاتیں، مگر اس الیکشن نے مجھے کہیں کا نہیں چھوڑا۔سالا جب دیکھو چناؤ! یہاں جلسہ، وہاں جلوس، اِدھر ریلی، اُدھر مہا ریلی۔یہاں دوڑو وہاں بھاگو۔وہ تو مزے میں پیر پر پیر چڑھائے بیٹھے رہتے ہیں، مرتے ہیں تو ہم غریب ہی۔''

مسائل اور بھی تھے۔گزشتہ سال مٹی پوال کے بیوپاریوں نے واضح طور پر دھمکی دے دی تھی، جب تک پرانے حساب چکتا نہیں ہو جاتے، مال نہیں دیں گے۔

دھیرن بابو نے کہا تھا، گھبرا نہیں بیشو، تو تو جانتا ہے۔مکھر جی صاحب کتنا دان پُن کرتے ہیں۔ برسوں سے پوجا کراتے آئے ہیں۔منسٹر بن گئے ہیں تو کیا، ماں کی پوجا پاٹ چھوڑ دیں گے۔اب تو اور بھی دھوم دھام سے پوجا کرائیں گے، مگر اب انھیں وقت کم ملتا ہے۔ وزارت کی ذمہ داریوں کا بوجھ جو سر پر آن پڑا ہے۔اس لیے اب پوجا پاٹ کی ذمہ داری میرے سر آ گئی ہے۔ میں بھی کیا کروں رے، بیشو۔پارٹی کا کام کاج دیکھوں کہ پوجا پاٹ کی ذمہ داری نبھاؤں۔سب میرا ہی گلا پکڑتے ہیں۔ چندے کی رسیدیں جن لوگوں کے نام کاٹی گئی تھیں انھوں نے اب تک پورے پیسے نہیں دیے۔سوئنیر چھپ رہا ہے۔ بڑے بڑے کاروباریوں کے اشتہارات ہیں اس میں، مگر پیسے تو سوئنیر چھپ جانے کے بعد ہی ملیں گے۔''

''مگر دھیرن بابو، دلیپ تو کہہ رہا تھا، اس بار کی پوجا کو بڑے بڑے، 'کارپوریٹ (کارپوریٹ) ہاؤس' نے اسپانسر (اسپانسر) کیا تھا۔''

''ارے اسپانسر تو کر دیتے ہیں، مگر وقت پر مٹھیاں کہاں کھولتے ہیں اور ویسے بھی انھوں نے تو بس پنڈال اور لائٹ ہی اسپانسر کیا تھا۔مورتی، ڈھاکی، مائیک، پنڈت، پھل پھول، بھوگ پرساد، ان کے پیچھے کتنے اخراجات آتے ہیں تجھے کیا معلوم۔کروڑوں کا بجٹ بنتا ہے۔''

بیشو نے آنکھیں پھاڑ کر کہا،''کروڑوں کا!''

''ہاں رے، کروڑوں کا۔'' یہ کہہ کر انھوں نے جیب سے روپے نکالے اور بیشو کے ہاتھ میں تھماتے ہوئے کہا،''لے یہ رکھ، آٹھ ہزار۔کل ملا کر سترہ ہزار ہو گئے۔انھوں نے لفظ سترہ کو اس قدر لمبا کھینچا کہ بیشو کے دل کی دھڑکن تیز ہو گئی۔یعنی باقی روپے...!''

بیشو روپے مٹھی میں دابے سوچنے لگا تھا۔ننگا نہائے کیا اور نچوڑے

کیا۔ یہ تو پوال اور ٹھڑی والوں کے لیے ہی کم پڑ جائیں گے۔ رنگوں، پوشاکوں اور سجاوٹ کے سامان والوں کو وہ کیا جواب دے گا اور پھر گھر کے اخراجات سوا لگ۔ آٹا چاول، کپڑا لتّا، بیٹی کی پڑھائی لکھائی۔'' مگر اس سے کچھ کہا نہ گیا۔ بس بت بنا کھڑا رہا۔ دھیرن بابو سے بھلا وہ کہہ بھی کیا سکتا تھا۔ احسانوں کے بوجھ تلے دبا ہوا تھا۔

۴۔

وہ جیسا تھا گاؤں میں خوش تھا۔ اپنا گھر تھا۔ اپجاؤ زمین تھی۔ سال میں تین فصلیں اگا کرتی تھیں۔ بوائی اور کٹائی کے درمیانی وقفے میں وہ مورتیاں بنایا کرتا تھا۔ لکشمی ہو کہ سرسوتی، گاؤں والے اسی کے ہاتھوں بنی مورتی خریدا کرتے تھے، مگر بیشو بنیادی طور پر کسان تھا۔ فصل اگانا اس کا دھرم تھا۔ بوائی کٹائی کے موسم میں لکھی پال بھی اس کا ہاتھ بٹایا کرتی تھی۔ پیڑ کے سائے میں چٹائی بچھا کر بیٹی کو بٹھا دیتی کہ سامان کی حفاظت ہو اور خود ساڑی کو گھٹنوں سے اوپر اٹھا کر اس طرح باندھ لیتی کہ سائے کا ایک چوتھائی حصہ نیچے لٹکا رہتا۔ پلّو کو لپیٹ کر دائیں کولھے سے اوپر پیٹھ اور پھر بائیں شانے سے نیچے پیٹ کی جانب لاتی اور کولھے میں اسی جا اڑس لیتی۔ بیٹے کو پیٹھ پر لادتی اور کچھا کی مدد سے اس طرح باندھ لیتی کہ بچے کا اوپری حصہ قدرے آزاد رہے۔ بیج بوتے وقت اگر چھاتیاں جھول جاتیں یا فصل کاٹتے وقت لپلپانے لگتیں تو اسے کوئی پروا نہیں ہوتی تھی کہ اصل مقصد تو کھیت میں کام کرنا ہوتا تھا۔ اکثر ان کی محنت رنگ لاتی اور فصلیں لہلہا اٹھتیں۔ سو اس دن بھی لہلہا رہی تھیں کہ گاؤں میں منادی پھر گئی، کھیت اب ان کے نہیں رہے، سرکاری تحویل میں چلے گئے ہیں۔ اب یہاں بڑی بڑی کمپنیاں کارخانے لگائیں گی۔

اور پھر مار دھاڑ، دنگا فساد کا ایسا بازار گرم ہوا کہ بیشو پال جیسے لوگوں کو گھر بار چھوڑنا پڑا۔

گاؤں سے لُٹ لُٹا کر وہ شہر آ گیا تھا۔ جوان بیوی اور بچوں کو لے کر در در کی ٹھوکریں کھا رہا تھا کہ دھیرن بابو کی نگاہ پڑ گئی۔ انھوں نے رہنے کو ایک جھونپڑا دیا اور لکھی پال کو درگا دیوی کے گھر جھاڑ و پونچھے پر لگا دیا۔ درگا دیوی پارٹی کی سربراہ تھیں۔ مکھرجی صاحب ان کے بیٹے تھے، اس پر کچھ زیادہ ہی مہربانیاں لٹانے لگے۔ لکھی پال کی بھی چل پڑی۔

دھیرن بابو نے ضروری سمجھا کہ بیشو پال کو بھی کسی ایسے کام پر لگا دیا جائے کہ وہ مصروف بھی رہے اور دو پیسے بھی ملیں۔ لہٰذا اسے مورتیاں بنانے کے کام پر مامور کر دیا۔ گاہے گاہے اسے ایک کام اور کرنا پڑتا تھا۔ کندھے پر جھنڈا اٹھائے چلچلاتی دھوپ میں کولتار کی سڑکوں پر نعرہ لگاتے ہوئے چلنے کا۔ اس کام میں اس کا دل لگتا نہ تھا، مگر یہ دیکھ کر ہمت بندھتی تھی کہ اس راہِ پُر خار میں وہ اکیلا نہیں۔ ہزاروں لوگ قطار در قطار بھوکے ننگے اس مینار کی طرف بڑھے جا رہے ہیں جو شہیدوں کی یادگار کہلاتا ہے۔ جہاں بڑے بڑے رہنما سفید پوشاکوں میں ملبوس، کالی کالی عینک لگائے اونچے سائے دار پنڈال پر مخملی کرسیوں میں دھنسے اپنی اپنی باری کے منتظر رہتے۔ درگا دیوی دھواں دھار تقریریں کرتیں۔ وہ جب مائیک پر آئیں تو چاروں طرف سے شور و غوغا اٹھتا۔ بیشو اترانے لگتا۔ چھاتی تانے لوگوں کا چہرہ تکتا۔ دائیں سے بائیں اور پھر بائیں سے دائیں اور جب لوگ اسے حسرت بھری نگاہوں سے دیکھنے لگتے تو اس کی چھاتی پھول جاتی۔ وہ اس بات پر نازاں ہوتا کہ مکھرجی پریوار سے اس کے خاص تعلقات ہیں۔

آگے چل کر یہ تعلقات دہرے ہو گئے۔ ایک دن دھیرن بابو کسی کام کے سلسلے میں اس کے یہاں آئے تھے۔ لکھی پال انگنی پر کپڑے پسار رہی تھی۔ انھوں نے پوچھا، ''بیشو کہاں ہے؟''

دھیرن بابو کو اچانک دیکھ کر چونک پڑی۔ سینے اور کندھے پر پلّو ڈالتے ہوئے بولی، ''وہ تو نہیں ہیں۔ بازار گئے ہیں۔''

دھیرن بابو کی نگاہ اس کا پلّو چھید کر گئی۔ انھوں نے وہاں تک دیکھ لیا جہاں تک وہ دیکھنا چاہتے تھے۔ مرمری بانہیں، نیم عریاں شانہ اور شانے کے نیچے بلاؤز پر پڑے پسینے کے دھبے اور ان دھبوں سے اٹھنے والی بو! دھیرن بابو مضطرب ہو اٹھے۔ بڑی مشکل سے خود کو سنبھالا۔ لڑکھڑاتے ہوئے لہجے میں پوچھا، ''اور بچے کہاں ہیں؟''

لکھی پال نے نگاہیں جھکا کر کہا، ''بیٹی اسکول گئی ہے اور بیٹا باپ کے ساتھ بازار۔ آپ بیٹھیے، وہ آتے ہی ہوں گے۔''

''کوئی بات نہیں، اس سے پھر کبھی مل لوں گا۔'' لمحہ بھر توقف کے بعد پھر گویا ہوئے، ''ایسا کرنا کل مکھرجی صاحب کے یہاں سے لوٹتے وقت میرے گھر چلی آنا۔ میرے یہاں جو عورت کام کرتی تھی چوٹی تھی، سالی۔ رنگے ہاتھوں پکڑی گئی۔ نکال دیا سالی کو۔''

''اور سن اس بارے میں مکھرجی صاحب سے کچھ کہنے کی ضرورت نہیں۔''

لکھی پال دھیرن بابو کا ارادہ بھانپ گئی تھی، لیکن کر بھی کیا سکتی تھی۔ اثبات میں سر ہلانا پڑا۔

۵۔

بیوی کے رنگ ڈھنگ اور بدلے ہوئے تیور سے بیشو پال افسردہ رہنے لگا تھا۔ پڑوسیوں کی معنٰی خیز نگاہوں کا مطلب بھی جان چکا تھا، مگر بیوی سے کچھ کہنا سانپ کے بل میں ہاتھ ڈالنے کے مترادف تھا۔ مکھرجی

صاحب اور دھیرن بابو جیسے لوگوں کی نظر التفات کو ٹھوکر مارنا اس کے بس میں نہ تھا۔ اسے یہ بھی معلوم تھا کہ درگا دیوی سے مکھر جی صاحب اور دھیرن بابو کی شکایت کرنا گویا، ماں سے ماسی کا قصہ بیان کرنا ہے۔ درگا دیوی بیٹے کی تمام حرکتوں سے باخبر تھیں۔ گوش مالی کرنے کے بجائے اس پر پردے ڈالا کرتی تھیں اور اب تو دو اور آفتیں اس کے سر آن پڑی تھیں۔ ایک پوجا اور دوسرا الیکشن۔

دھیرن بابو پہلے ہی کہہ چکے تھے، ''بیشو پال، دیکھ اس بار ناک کی لڑائی ہے۔ چناؤ کے میدان میں بھی اور پوجا کے منڈپ میں بھی۔ مقابلہ بد چکا ہے۔ اس بھینسے نے پوری طاقت جھونک دی ہے۔ چناؤ کے مقابلے سے تو میں نپٹ لوں گا، مگر مورتیوں کے مقابلے کا زر بھر تجھ پر ہے۔ ایسی مورتی بنا کہ لوگ چونک جائیں۔''

بیشو پال دھیرن بابو کا منہ تکنے لگا۔ لب خاموش تھے، مگر دل میں نفرت کی لہر موج زن تھی۔ مرد عورت کو اپنا بستر تصور کرتا ہے۔ وہ اپنا بستر کسی کے آگے پسرا ہوا بھلا کیسے دیکھ سکتا ہے۔

دھیرن بابو تاڑ گئے۔ دھیان بانٹنے کی غرض سے بولے، ''اچھا بیشو پال، گزشتہ سال کا تو کوئی بقایا نہیں ہے۔ ٹھڑی، مٹی اور پوال سبھوں کا حساب چکتا ہو گیا ہے نا؟''

بیشو پال دھیمے لہجے میں بولا، ''نہیں، مٹی اور پوال والے کا حساب چکتا نہیں ہو پایا ہے۔ انھوں نے چتاونی دے دی ہے، اب مال نہیں دیں گے۔''

''مال نہیں دیں گے؟ ان کی یہ مجال! تو فکر نہ کر۔ کل وہ مٹی اور پوال خود ہی دے جائیں گے۔ تو کام شروع کر دے، مگر یاد رہے کانٹے کی ٹکر ہے؟ اور ہاں سنا ہے اگلے ہفتے اس علاقے میں ان کی میٹنگ ہونے والی ہے۔ محلے والوں پر نظر رکھنا۔ کون کون ان کی حمایت میں بول رہا ہے، ایسے لوگوں کی لسٹ تیار کر کے مجھے دینا۔ اور ہاں، ایک بات اور۔ تیس تاریخ کو پارٹی کی ریلی ہے۔ شہید مینار کے پاس مہا سبھا ہوگی۔ یاد رہے۔''

بیشو پال کو ہر بات یاد رہتی تھی اور یہی اس کی ذہنی الجھن کا سبب بھی تھا۔ اسے یہ بات بھی یاد تھی کہ اُس کا زیادہ تر وقت انتخابی ریلیوں اور سبھاؤں میں ہی گزر رہا ہے۔ دن بدن درگا پوجا کا وقت قریب آ رہا ہے۔ کئی بار خود دھیرن بابو نے ہی تقاضا دے ڈالا ہے، مگر اس کی ہمت نہ ہوئی کہ وہ انھیں ترکی بہ ترکی جواب دے سکے۔ کہہ سکے کہ آپ نے کیا مجھے زر خرید غلام سمجھ رکھا ہے۔ محلے والوں پر نگاہیں رکھوں، ریلی اور سبھاؤں میں جاؤں، مورتیاں بھی بناؤں۔ اور اپنی....''

اس سے آگے کے خیال کو وہ ذہن سے جھٹک دینا چاہتا تھا، مگر اس کی یادداشت ہی اس کی سب سے بڑی دشمن بن گئی تھی۔ لکھی پال کو بھی اس بات کا پورا احساس تھا۔ اسے اب اس کی حالتِ زار پر ترس آنے لگا تھا، مگر بے چاری وہ بھی کیا کر سکتی تھی۔ شیشے پر پڑے بال کو صاف کرنا اس کے بس میں نہ تھا۔

-۶-

بیشو پال کے ہاتھ تیزی سے حرکت کر رہے تھے۔ دھڑ بن چکے تھے۔ بس اب ان دھڑوں پر سرفٹ کرنا باقی تھا۔ اس نے اس بار نئے ڈھنگ کی مورتیاں بنائی تھیں۔ گردن ہلانے والی مورتیاں!

اندر کمرے میں لکھی پال بیٹے کو قصہ سنا رہی تھی۔ وہ مورتی کی گردنوں پر کیلیں ٹھوک چکا تھا۔ اب ان کیلوں پر اسپرنگ ڈال رہا تھا۔ قصہ بھی سن رہا تھا۔

''اور جب چانڈک نہیں مانا تو کرشن جی طیش میں آ گئے اور اپنا سدرشن چکر اس کی طرف دے مارا۔ چانڈک کا سر دھڑ سے الگ ہو گیا۔ اب وہاں دو سر پڑے تھے۔''

''ہاں، ایک ارجن کا اور دوسرا چانڈک کا!''

یہ سن کر بیشو پال چونک گیا۔ اس نے پلٹ کر دیکھا۔ وہاں زمین پر بھی دو سر پڑے تھے۔ اس کے ہاتھ تھم گئے۔ وہ باری باری ان سروں کو دیکھنے لگا۔

-۷-

اِس سال اور بھی شاندار پنڈال سجایا گیا تھا۔ منڈپ میں مورتیاں بھی نئے ڈھنگ کی نصب کی گئی تھیں۔ لوگوں کی بھیڑ امنڈ پڑی تھی۔

اگر بتی اور لوبان سے اٹھنے والا دھواں فضا میں خوشبو بکھیر رہا تھا۔ پنڈت اشلوک جاپ کر رہے تھے۔ ڈھاک بھی زور زور سے پیٹے جا رہے تھے۔ نوجوان جوڑے لوبان کا کٹورا ہاتھوں میں لیے ناچ رہے تھے۔ عورتیں اُلو (کسی تقریب کے موقع پر منہ سے 'لولو' کی آواز) دے رہی تھیں۔ پیر فرتوت بھی جھوم رہے تھے۔ چاروں طرف جوش و خروش کا ماحول تھا۔

مگر کسی نے بھی مورتیوں کی صورتیں بغور نہیں دیکھی تھیں۔

ماں درگا فرش پر لہولہان پڑی سسک رہی تھی۔ شیر ببر پر بیٹھا مہیسہ سر گردن ہلا رہا تھا۔ ماں درگا کی چھاتی میں برچھا گھونپے ہنس رہا تھا۔

پنڈال کے ایک کونے میں کھڑا بیشو پال بھی ہنس رہا تھا۔ بہت دنوں بعد اس کے ہونٹوں پر ہنسی آئی تھی۔

○○

○○